(غلام گردش)

وجدان کے مسافر اور امیر خسرو

زندگی کے ہر جز و کو نفع اور نقصان کے ترازو میں ہر گز نہیں تولا جا سکتا۔ زندگی شعوری اور لاشعوری طور پر حدودِ کاروبارِ زیست سے ارفع چیز ہے۔ مسائل اور انکے حل، تمام اَن دیکھی سڑکوں پر غیب کے وہ نشان ہیں، جن کو کبھی آپ محسوس کر سکتے ہیں اور کبھی یہ آپ سے مکمل دور رہتے ہیں۔ فکر کی کھڑکی کھول کر دیکھیے تو عجیب سی جادونگری نظر آتی ہے۔ ہر خطے کی مٹی کا اپنا مزاج ہوتا ہے۔ اس مٹی کا زندگی کے ہر پہلو پر اثر ہوتا ہے۔ لباس، زبان، عقائد اور رہن سہن، اپنے خطے کے مطابق ڈھلنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ برصغیر کے خطہ کی ایک طلسمی خصوصیت ہے۔ اس نے انسان کی پوری زندگی کو اپنے اندر سموڈالا ہے۔ پورے دنیا کے نامور لوگ کسی نہ کسی رمز سے اس خطہ سے منسلک ہونا باعث افتخار سمجھتے تھے۔ مگر ایک پہلو کو طفلانہ طریقے سے نظر انداز کیا گیا، وہ یہاں کی ادبی اور علمی برتری تھی۔ برصغیر میں جو فکری تجربات کیے گئے جو ابھی تک بے مثل ہیں۔

"ذکر" کی روایت ہزاروں برس پرانی ہے۔ یہ روایت اسلام سے پہلے بھی موجود رہی ہے۔ مگر "سماع" اپنے جوہری انداز میں خالصتاً اسلام سے منسلک ہے۔ امام غزالیؒ نے اسکو بہت تفصیل سے بیان کیا۔ انہوں نے "ذکر" اور "سماع" کے فرق کو بھی اجاگر کیا۔ برصغیر میں اسلام "صوفیا" کی بدولت عام لوگوں تک پہنچا۔ صوفیاء کا کمال یہ تھا کہ انہوں نے ہمارے دین کو لوگوں کے لیے آسان اور سہل بنا کر پیش کیا۔ ان صوفیا کے علم میں تھا کہ برصغیر میں لوگوں پر موسیقی کی گہری چھاپ ہے۔ چنانچہ ان عظیم لوگوں نے اس روایت کو بھی اپنے اندر سمونے کی بھرپور کوشش کی۔ حضرات خواجہ معین الدین چشتیؒ نے سماع کی روایت کو قوالی کی شکل دینے پر بہت سنجیدگی سے کام کیا۔ وہ سماع اور قوالی کو دین کی ترویج کیلیے استعمال کرتے تھے۔ انکے بعد یہ طریقہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا۔ یہ بھی روایت ہے کہ حضرت معین الدین چشتیؒ اور حضرت عبدالقادر جیلانی بغدادیؒ کے درمیان قوالی کے موضوع پر انتہائی دقیق علمی مکالمہ ہوا۔ اسکے بعد دونوں بزرگوں نے سماع میں شرکت کی۔ اس صنف کی کڑیاں محمود غزنوی کے زمانے سے بھی ملتی ہیں۔ اور یہ تمام دورانیہ حضرت امیر خسرو سے قدرے پہلے کا ہے۔ قوالی میں خدا، انبیاء کے سردار محمدِ عربی ﷺ اور انکے رفقاء کار کا ذکر انتہائی جذباتی اور پر تاثیر طریقے سے کیا جاتا تھا۔ یہ سلسلہ آج بھی قائم ہے۔ سماع اور قوالی میں جذب کی وہ کیفیت آجاتی تھی کہ انسان اپنے حال سے بے نیاز ہو کر ایک اور دنیا میں داخل ہو جاتا تھا۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ محفل سماع سنتے ہوئے ایک ایسی کیفیت میں چلے گئے کہ انکی روح جسم کی قید سے آزاد ہوگئی۔ وہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ مسعود سعد سلمان نے حضرت امیر خسرو سے تقریباً ایک صدی پہلے لاہور کے دو نامور سماع برپا کرنے والوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ حضرت معین الدین چشتیؒ کے زمانے کے لوگ تھے اور انکے مریدین میں شامل تھے۔ انکا نام میاں ہسام الدین نگاہی اور میاں صلاح الدین درگاہی تھا۔ یہ دونوں پر تاثیر لوگ ہر جگہ محفل سماع منعقد کرتے تھے۔

آج کی قوالی اور اسکی ساخت حضرت امیر خسرو کے دم قدم سے ہے۔ ابوالحسن یامین الدین خسرو حیرت انگیز صلاحیتوں کے مالک تھے۔ برصغیر پاک و ہند پر ان کی فکری چھاپ بہت مضبوط نظر آتی ہے۔ وہ پٹیالی میں پیدا ہوئے جو اب یوپی کا حصہ ہے۔ وہ ترک نسل سے

تعلق رکھتے تھے۔آج انکے قصبہ کا نام بھی "امیر خسرو نگر" رکھ دیا گیا ہے۔انہوں نے صرف آٹھ برس کی عمر میں شاعری شروع کر دی۔انکی اصل تربیت انکے نانا امداد الملک نے کی تھی۔اپنے نانا کی وفات کے بعد وہ ملک چھجو کی فوج میں بطور سپاہی بھرتی ہو گئے۔یہ سردار وقت کے سلطان بلبن کا قریبی عزیز تھا۔اپنی قابلیت اور اہلیت کی بنیاد پر امیر خسرو نے ملک چھجو کے دربار میں بہت جلدی اپنی جگہ بنالی۔انکی شاعری نے اس وقت کے دربار کو بہت متاثر کیا۔امیر خسرو خوش قسمت تھے کہ عملی زندگی کے اوائل ہی سے انہیں دولت اور عزت و تکریم سے نوازا گیا۔اس وقت تک وہ اپنا پہلا دیوان "تحفتہ۔س۔صگر" مکمل کر چکے تھے۔بلبن کا بیٹا" بگرا خان" ان کے کلام سے بہت متاثر ہوا۔وہ انہیں کچھ عرصے کے لیے بنگال لے گیا۔مگر کچھ ماہ بعد امیر خسرو پھر دہلی واپس آ گئے۔وہاں انہیں بلبن کے بڑے صاحبزادے "محمد" نے ملتان آنے کی دعوت دی۔چنانچہ وہ ملتان چلے گئے۔اس وقت ملتان کی بہت اہمیت تھی۔ایک لحاظ سے وہ علم اور فکر کے شہر کا ایک دروازہ تھا۔دنیا بھر کے علماء، تاریخ دان، تاجر اور سفیر ملتان کے راستے سے دہلی جایا کرتے تھے۔امیر خسرو ملتان سے بہت محبت کرتے تھے۔انہوں نے لکھا کہ "میں نے ملتان میں خدمت کی رسی کو اپنی کمر سے باندھ لیا۔رفاقت کی پگڑی پہن لی۔میں نے ملتان کے پانی کو اپنی حاضر دماغی اور علمی سمندر سے اجلا کر ڈالا" وہ ملتان پانچ برس رہے۔اسی اثناء میں منگول حملے کے خلاف انہوں نے بطور سپاہی سلطان محمد کی فوج میں شمولیت بھی اختیار کی۔ایک جنگ میں امیر خسرو کو منگولوں نے گرفتار کر لیا۔پر کسی طریقے سے وہ اس قید سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔میں تاریخ کے تواتر سے نکل کر یہ عرض کرونگا کہ امیر خسرو دربار دہلی سے بہت دیر تک وابستہ رہے۔انہوں نے اپنی عمر میں سات سلاطین کے دربار میں کام کیا۔فیروز خلجی وہ بادشاہ تھا جس نے امیر خسرو پر دولت اور عزت کے تمام دروازے کھول دیے۔وہ انکا بہت بڑا قدردان تھا۔ابوالحسن سے امیر خسرو کا سفر انہوں نے فیروز خلجی کے دربار میں طے کیا۔انکو "امیر خسرو" کا لقب فیروز خلجی نے عطا کیا تھا۔اس دربار میں امیر خسرو نے بہت خوبصورت غزلیں لکھیں جو اس زمانے میں زبان زدعام ہو گئیں۔مگر اس سے پہلے وہ اپنی پہلی مثنوی "قران الصادین" مکمل کر چکے تھے۔امیر خسرو کی تخلیقی قابلیت کا اندازہ آپ اس بات سے لگائیے کہ وہ 3310 اشعار کی مثنوی "متاعِ انوار" صرف پندرہ دن میں مکمل کر چکے تھے۔یہ تمام مثنوی خدا کی محبت پر مبنی تھی۔انکی دوسری مثنوی "شیریں" چار ہزار اشعار پر مشتمل تھی۔اسی طرح "لیلیٰ مجنوں"، "آئین سکندری" اور "ہشت بہشت" انکے نایاب کارنامے تھے۔یہ شاعری کے نادر اور دقیق کام آج تک اَمر ہیں۔مبارک شاہ کے زمانے میں انہوں نے "نوسہ پہر" مکمل کی۔اس مثنوی میں نو آسمانوں کا ذکر کیا گیا۔اسکے نو مختلف حصے تھے۔اس میں امیر خسرو نے برصغیر کے تمام حالات بیان کیے۔انہوں نے اس خطہ کے پھول، پودے، موسم، نظام اور اس وقت کی زندگی کے تمام جزئیات موتیوں میں پرو دیے۔اس زمانے میں انہوں نے "اعجازِ خسروی" تحریر کی جسکے پانچ حصے تھے۔میں اس نایاب شخص کے متعلق کیا کیا لکھوں اور کیا کیا حصہ چھوڑ دوں! ایک کالم میں امیر خسرو کو بیان نہیں کیا جا سکتا!

امیر خسرو کا نام آج تک علم موسیقی میں انکے حیرت انگیز تجربات کی وجہ سے زندہ ہے۔وہ نظام الدین اولیاءؒ کے مرید ہو چکے تھے۔روایت کے مطابق "فنافی الشیخ" کی منزل پر پہنچ چکے تھے۔قوالی کی صنف کو امیر خسرو نے اپنے مرشد کی اطاعت اور مرضی سے انمول بنا دیا۔انہوں نے مختلف نئے راگ ترتیب دیے۔آج کا ستار اور طبلہ، صرف اور صرف اس مردِ عظیم کی کاوش اور ایجاد ہے۔انہوں نے اپنی

اکثر قوالیاں بھاگیشری، سوہنی، بہار، اور بسنت راگوں میں بنائیں۔ نظام الدین اولیاء کے حکم پر انہوں نے بارہ خوش الحان گائکوں کی ایک ٹولی ترتیب دی۔ ان تمام کو سماع کی نازک جزئیات سکھائیں۔ اس میں سے آج صرف پانچ نام محفوظ ہیں۔ میاں سمات، حسن ساونت، بہلول، تاتر اور فغانی اس بارہ کی ٹولی میں شامل تھے۔

اس فن نے سلاطین دہلی سے لیکر مغلوں تک کا سفر بڑے آرام سے کیا۔ شاہ جہاں کے دور میں دو بہت مشہور قوال گزرے ہیں۔ انکا نام "رضا" اور " کبیر " تھا۔ حضرت بہاوالدین ذکریا بھی صوفی موسیقی کی مکمل فہم رکھتے تھے۔ تاریخ کی پیچیدہ گزرگاہوں سے نکل کر آپ آج کے زمانے میں آجایئے۔ آپ دنیا کے کسی ملک میں چلے جائیں۔ آپکو موسیقی کی اس صوفی روایت سے عشق کرنے والے مل جائینگے۔ یہ عشق خدا اور رسول ﷺ کی چاہت میں ڈوب کر گائی جاتی ہے۔ یہ ہر خاص و عام پر کیفیت اور مستی کا سماع باندھ دیتی ہے۔ قوالی ہمارے صوفیاء کا ایک بہت موثر طریقہ رہا ہے جو انہوں نے ترویج دین کے لیے مقامی حالات کے مطابق اختیار کیا تھا۔ آپ البرٹ وکٹر ہال لندن اور نیویارک کے موسیقی کے اجتماعات میں انگریزوں کو قوالی سننے کے دوران "حال" پڑتے دیکھیں گے۔

مجھے اس بات کا مکمل ادراک ہے کہ اسلام میں کئی فرقے " محفل سماع" سے اختلاف کرتے ہیں۔ انکے پاس اس روایت کے خلاف ٹھوس دلائل بھی موجود ہیں۔ مگر میں کسی بھی دینی بحث کا حصہ نہیں بن سکتا کیونکہ میں عالم دین نہیں ہوں۔ میں تو ایک سادہ سا مسلمان ہوں جسے اپنے دین سے عشق ہے۔ آج بھی جب چالیس برس پہلے گائی ہوئی قوالی " مدینہ چلو" غلام فرید صابری کی آواز میں سنتا ہوں، تو تمام لوگوں کی طرح میری آنکھوں سے بھی اشک رواں کا سیلاب بہہ نکلتا ہے۔ میرے جیسا عاجز اور گناہ گار مسلمان بھی اپنے اندر ایک ایسی کیفیت محسوس کرتا ہے جو لفظوں میں بیان نہیں کی جاسکتی! مجھے تو ایسے لگتا ہے کہ " محفل سماع" سننے والے اس راہ فنا کے لوگ ہیں جنکی منزل خدا سے وابستگی اور حب رسول ﷺ ہے۔ یہ جذب میں ڈوبے ہوئے مسافر ہیں جو عشق کے قافلہ میں شامل ہو کر زندگی کے دریا کو عبور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں! یہ وجدان کی شاہراہ پر سفر کرنے والے آبلا پا لوگ ہیں جو خدا سے صرف اور صرف رحمت کے طلبگار ہیں! وہ عشق کی بیساکھی سے منزل پر پہنچنے کی کوشش کرنے میں مصروف ہیں! وہ روز حشر کے حساب و کتاب میں صرف شفاعت کے طلبگار ہیں!

راؤ منظر حیات

Dated:27-07-2014